

حقوق الزوجین

(۳)

خلع | شرع اسلامی نے جس طرح مرد کو یہ حق دیا ہے کہ جس عورت کو وہ ناپسند کرتا ہے اور اس کے ساتھ کسی طرح نباہ نہیں سکتا اسے طلاق دے دے، اسی طرح عورت کو بھی یہ حق دیا ہے کہ جس مرد کو وہ ناپسند کرتی ہو اور کسی طرح اس کے ساتھ گذر بسر نہ کر سکتی ہو اس سے خلع حاصل کرے۔

اس باب میں احکام شریعت کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو اخلاقی ہے اور دوسرا قانونی اخلاقی پہلو تو یہ ہے کہ خواہ مرد ہو یا عورت ہر ایک کو طلاق یا خلع کا اختیار صرف ایک آخری چارہ کار کے طور پر استعمال کرنا چاہئے۔ زیادہ محض خواہشات کی تسکین کے لیے طلاق اور خلع کو کھیل بنا لیا جائے، چنانچہ احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات منقول ہیں کہ

إِنَّ اللَّهَ لَا يَحِبُّ الْمَذْوَاقِينَ وَالْمَذَاقَاتِ - (اللہ مزے چکھنے والوں اور مزے چکھنے والیوں کو پسند نہیں کرتا)۔

لَعَنَ اللَّهُ كُلَّ ذَوَاقٍ مَطْلَاقٍ (ہر طالب لذت بکثرت طلاق دینے والے پر اللہ نے لعنت کی ہے)۔

ایما امرأۃ انخلعت من زوجها بغیر فشوئر فعلیھا لعنة اللہ والملائکۃ والناس اجمعین (جب کسی عورت نے اپنے شوہر سے تشدد کے بغیر خلع لیا اس پر اللہ اور ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت المتخلعات من المذاقات (خلع کو کھیل بنا لینے والی عورتیں منافق ہیں)۔

لیکن قانون میں کا کام انہی ص کے حقوق تسکین کرنا ہے اگر پہلو سے بحث نہیں کرنا۔ وہ جس طرح

مرد کو شوہر ہونے کی حیثیت سے طلاق کا حق دینا ہے، اسی طرح عورت کو بھی بیوی ہونے کی حیثیت سے خلع کا حق دیتا ہے تاکہ دونوں کے لیے بوقت ضرورت عقد نکاح سے آزادی حاصل کرنا ممکن ہو، اور کوئی فریق بھی ایسی حالت میں مبتلا نہ کر دیا جائے کہ دل میں نفرت ہے، مقاصد نکاح پورے نہیں ہوتے، رشتہ ازدواج ایک مصیبت بن گیا ہے، مگر جبراً ایک دوسرے کے ساتھ محض اس لیے بندھے ہوئے ہیں کہ اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ رہا یہ سوال کہ دونوں میں سے کوئی فریق اپنے حق کو بے جا طور پر استعمال کرے گا، تو اس بارے میں قانون جہاں تک ممکن اور معقول ہے، پابندیاں عائد کر دیتا ہے مگر حق کو بجا یا بجا استعمال کرنے کا انحصار بڑی حد تک خود استعمال کرنے والے کے اختیار تیزی، اور اس کی دیانت اور خدا ترسی پر ہے۔ اس کے اور خدا کے سوا کوئی بھی یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ وہ محض طالب لذت ہے یا ^{البراق} حق اس کے استعمال کی جائز حاجت رکھتا ہے۔ قانون اس کا فطری حق اسے دینے کے بعد اس کو بجا استعمال سے روکنے کے لیے صرف ضروری پابندیاں اس پر عائد کر سکتا ہے۔ چنانچہ طلاق کی بحث میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ مرد کو عورت سے علیحدگی اختیار کرنے کا حق دینے کے ساتھ اس پر مستعد و قیود لگا دی گئی ہیں مثلاً یہ کہ جو مہر اس نے عورت کو دیا تھا اس کا نقصان گوارا کرے زمانہ حیض میں طلاق نہ دے، تین طہروں میں ایک ایک طلاق دے۔ عورت کو زمانہ عدت میں اپنے ساتھ رکھے۔ اور جب تین طلاقیں دے چکے تو پھر وہ عورت تحلیل کے بغیر دوبارہ اس کے نکاح میں نہ آ سکے۔ اسی طرح عورت کو بھی خلع کا حق دینے کے ساتھ چند قیود عائد کر دی گئی ہیں جن کو قرآن مجید کی اس مختصر سی آیت میں تمام وکمال بیان کر دیا گیا ہے:

خُلْعُ كَيْ شَرِطًا وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا

مِمَّا أَتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا

يَعْتَمِدَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يَفْقَهُا

حُدُودَ اللَّهِ فَلَاحِجَا عَلَيْهِمَا فَمَا تَقَدَّرَ

تہا رے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ تم ان کو دے چکے ہو

واپس لے لو آلا یہ کہ میاں بیوی کو یہ خوف ہو کہ اللہ کی

حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو ایسی صورت میں جب کہ

کو خوف ہو کہ میاں بیوی اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے

کچھ مضامین ہیں اگر عورت کچھ معاوضہ دے کر عقدہ نکاح سے آزاد ہو جائے۔
اس آیت سے حسب ذیل احکام متبطل ہوتے ہیں۔

۱۔ غلغلیہ حالت میں ہونا چاہیے جبکہ حدود اللہ کے ٹوٹ جانے کا خوف ہو۔ فلا جناح علیہما کے الفاظ دلاتے ہیں کہ اگرچہ غلغلیہ ایک بری چیز ہے جس طرح کہ طلاق بڑا ہے لیکن جب یہ خوف ہو کہ حدود اللہ ٹوٹ جائیں گی تو غلغلیہ لینے میں کوئی بُرائی نہیں۔

۲۔ حیہ عورت عقدہ نکاح سے آزاد ہونا چاہیے تو وہ بھی اسی طرح مال کی قربانی گوارا کرے جس طرح مرد کو اپنی خواہش سے طلاق دینے کی صورت میں گوارا کرنی پڑتی ہے۔ مرد اگر خود طلاق دے تو وہ اس میں سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا جو اس نے عورت کو دیا تھا۔ اور اگر عورت جدائی کی خواہش کرے تو وہ اس مال کا ایک حصہ یا پورا مال واپس کر کے جدا ہو سکتی ہے جو اس نے شوہر سے لیا تھا۔

۳۔ اقتدار یعنی معاوضہ دے کر رہائی حاصل کرنے کے لیے محض فدیہ دینے والی کی خواہش کافی نہیں، بلکہ اس معاملہ کا اتمام اس وقت ہوتا ہے جب کہ فدیہ لینے والا بھی راضی ہو مقصد یہ ہے کہ عورت محض ایک مقدار مال پیش کر کے آپ سے آپ علیحدہ نہیں ہو سکتی، بلکہ علیحدہ گئی کے لیے ضروری ہے کہ جمال وہ پیش کر رہی ہے، اس کو شوہر قبول کرے۔

۴۔ غلغلیہ کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ عورت اپنا پورا مہر یا اس کا ایک حصہ پیش کر کے علیحدہ گئی کا مطالبہ کرے اور مرد اس کو قبول کر کے طلاق دیدے۔ فلا جناح علیہما امتداد بہ کے الفاظ اس کی دلاتے ہیں کہ غلغلیہ کا خصل تراصی طریق سے مکمل ہو جاتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہوتی ہے جو غلغلیہ کے لیے نصف قاضی کو شرط قرار دیتے ہیں۔

۵۔ اگر عورت فدیہ پیش کرے اور مرد قبول نہ کرے تو اس مدت میں ان کی طرف رجوع کیا جائے گا جو ختم کے مطالبہ ہیں، یعنی مسلمانوں کے اولی الامر اور جو نچوالی الامرا اولین فرض حدود اللہ کی

حفاظت ہے اس لیے ان پر لازم ہوگا کہ جب حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خوف متحقق ہو جائے تو عورت کو اس کا وہ حق دلوادیں جو انہی حدود کے تحفظ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کیا ہے۔

بمبھل احکام ہیں جن میں اس امر کی تصریح نہیں کہ ”حدود اللہ کے ٹوٹ جانے کا خوف“ کن صورتوں میں متحقق ہوگا؟ فدیہ کی مقدار متعین کرنے میں انصاف کیا ہے؟ اور اگر عورت افتد پر آمادہ ہو لیکن مرد قبول نہ کرے تو ایسی صورت میں قاضی کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟ ان مسائل کی تفصیلات ہم کو خلع کے ان مقدار کی رودادوں میں ملتی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے سامنے پیش ہوئے تھے۔

صدر اول کے نظار خلع کا سب سے زیادہ مشہور مقدمہ وہ ہے جس میں ثابت بن قیس سے ان کی بیویوں نے خلع حاصل کیا ہے۔ اس مقدمہ کی روداد کے مختلف ٹکڑے مختلف احادیث میں وارد ہوئے ہیں جن کو ملا کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ثابت سے ان کی دو بیویوں نے خلع حاصل کیا تھا۔ ایک بیوی جمیلہ بنت ابی بن سلول (عبداللہ بن ابی کی بہن) کا قصہ یہ ہے کہ انھیں ثابت کی صورت ناپسند تھی لہٰذا انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خلع کے لیے مراجعہ کیا اور ان الفاظ میں اپنی شکایت بیان کی۔

یا رسول اللہ لا یجمع راسی وراسہ یا رسول اللہ میرے اور اس کے سر کو کوئی چیز کبھی جمع نہیں کر سکتی میں نے اپنا گھونٹ جو اٹھایا تو وہ سامنے سے چنڈاؤں کی طرح اڑا۔
 اور سب سے زیادہ پتہ قد اور سب سے زیادہ بد شکل
 و جہا۔ (ابن حریب)۔
 سوادا و اقصرهم قامتہ و اقبحهم
 و انہ ما کرہت منہ دینا ولا خلقا
 الا انی کرہت دعامتہ (ابن حریب)

خدا کی قسم میں دین یا اخلاق کی کسی خرابی کے سبب سے اس کو ناپسند نہیں کرتی مگر مجھے اس کی بد صورتی ناپسند ہے۔

بعض نے زینب بنت عبداللہ بن ابی کہا ہے مگر مشہور یہی ہے کہ ان کا نام جمیلہ تھا اور عبداللہ بن ابی کی بیٹی نہیں بلکہ بہن تھیں۔

واللہ اولاً مخافة اللہ اذ ادخل علیہ
لبصفت فی وجهہ (ابن ماجہ)
خدا کی قسم اگر خوف خدا نہ ہوتا تو جب وہ میرے پاس آیا
اس وقت میں اس کے منہ پر تھوک دیتی۔

یا رسول اللہ بی من الیہما فی ما تری و
ثابت رجل دمیہ (عبدالزاق بن افریح الباری)
یا رسول اللہ میں جیسی خوبصورت ہوں آپ دیکھتے ہیں اور
ثابت ایک بد صورت شخص ہے۔
وما اعتب علیہ فی خلق ولا دین ولا کتبی
میں اس کے دین اور اخلاق پر کوئی حرف نہیں رکھتی مگر
اکثرہ العزیز نے الاسلام (بخاری)
اسلام میں کفر کا خوف ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت سنی اور فرمایا کہ اتر دین علیہ حدیقتہ (التي اعطاک
جو باغ تجھ کو اس نے دیا تھا وہ تو واپس کر دے گی؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ملکہ وہ زیادہ
چاہے تو زیادہ بھی دوں گی۔ حضور نے فرمایا اما ان زیادة فلا ولكن حدیقتہ۔ زیادہ تو
نہیں مگر تو اس کا باغ واپس کر دے۔ پھر ثابت کو حکم دیا کہ اقبل الحدیقتہ و طلقها لتطلیقتہ۔
باغ قبول کر لے اور اس کو ایک طلاق دیدے۔

ثابت کی ایک اور بیوی حبیبہ بنت سہل الانصاریہ تھیں جن کا واقعہ امام مالک اور ابو داؤد نے
اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک روز صبح سویرے حضور کا شانہ نبوی سے برآمد ہوئے تو حبیبہ کو کھڑا پایا۔ دریافت
فرمایا کہ کیا معاملہ ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ لا انا ولا ثابت بن خبیس (میری اور ثابت کی نہیں
بجھ سکتی) جب ثابت حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ حبیبہ بنت سہل ہے۔ اس نے بیان کیا جو کچھ اللہ نے چاہا کہ
بیان کرے حبیبہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو کچھ ثابت نے مجھے دیا ہے وہ سب میرے پاس ہے حضور
ثابت کو حکم دیا کہ وہ لے لے اور اس کو چھوڑ دے بعض روایتوں میں خل سبیلہا کے الفاظ ہیں
اور بعض میں فارقھا۔ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ ابو داؤد اور ابن جریر نے حضرت عائشہ سے

اسلام میں کھونکے خوف سے مراد یہ ہے کہ کرامت و نفرت کے باوجود اگر میں اس کے ساتھ رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ میں
ان احکام کی پابند رہ سکوں گی جو شہرہ کی احاطہ اور اس کی وفاداری اور عصمت و عفت کے تحفظ کے لئے خدا اور رسول نے دیے ہیں۔

اس واقعہ کو اس طرح روایت کیا ہے کہ ثابت نے حبیبہ کو اتنا مارا تھا کہ ان کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی حبیبہ نے اگر حضورؐ سے شکایت کی آپؐ نے ثابت کو حکم دیا کہ خذ بعض مالہا و فارقہا۔ اس کے مال کا ایک حصہ لے لے اور جدا ہو جا۔ مگر ابن ماجہ نے حبیبہ کے جو الفاظ نقل کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حبیبہ کو ثابت کے خلاف جو شکایت تھی وہ ماریٹ کی نہ تھی بلکہ بد صورتی کی تھی چنانچہ انہوں نے وہی الفاظ کہے جو دوسری احادیث میں حبیبہ سے منقول ہیں یعنی اگر مجھے خدا کا خوف نہ ہوتا تو میں ثابت کے منہ پر تھوک دیتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک عورت اور مرد کا مقدمہ پیش ہوا۔ آپؐ نے عورت کو نصیحت کی اور شوہر کے ساتھ رہنے کا مشورہ دیا۔ عورت نے قبول نہ کیا۔ اس پر آپؐ نے اُسے ایک گھڑی میں بند کر دیا جس میں کوڑا کرکٹ بھرا ہوا تھا۔ تین دن قید رکھنے کے بعد آپؐ نے اسے نکالا اور پوچھا کہ تیرا کیا حال رہا۔ اس نے کہا خدا کی قسم مجھ کو انہی تین راتوں میں راحت نصیب ہوئی ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اس کے شوہر کو حکم دیا کہ اخلعھا و یحک ولو من قرطھا۔ اس کو خلع دیدے خواہ وہ اس کے کان کی بالیوں کے عوض ہی میں ہو (کشف الغمہ: ۲۷۰)۔

سبيع بنت معوذ بن عفراء نے اپنے شوہر سے اپنی تمام املاک کے معاوضہ میں خلع حاصل کرنا چاہا۔ شوہر نے نہ مانا۔ حضرت عثمانؓ کے پاس مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو حکم دیا کہ اس کی چوٹی کا موہن تک لے لے اور اس کو خلع دیدے (فأجاباً ذكراً و امرأة باخذ عقاص من سها فمادونه عبد الرزاق)۔

احکام خلع | ان روایات سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے :-

(۱) فان خفتم الا یقیم احدو دالہ کی تفسیر وہ شکایات ہیں جو ثابت بن قیس کی بیویوں سے منقول ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کی اس شکایت کو خلع کے لیے کافی سمجھا کہ ان کا شوہر بیچارہ ہے اور وہ ان کو پسند نہیں۔ آپؐ نے ان کو خوبصورتی اور بد صورتی کے خلاف پر کوئی لکچر نہیں دیا۔ کیونکہ آپؐ کی

نظر شریعت کے مقاصد پر مبنی۔ جب یہ امر محقق ہو گیا کہ ان عورتوں کے دل میں شوہر کی طرف سے نفرت و کراہت بیحد چلی ہے تو آپ نے ان کی درخواست کو قبول فرمایا، کیونکہ نفرت و کراہیت کے ساتھ ایک عورت اور مرد کو جبراً ایک دوسرے سے باند رکھنے کے نتائج، دین اور اخلاق اور تمدن کے لیے طلاق و خلع سے زیادہ خراب ہیں اور ان سے مقاصد شریعت فوت ہونے کا خوف ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ قاعدہ نکلتا ہے کہ حلع کا حکم نافذ کرنے کے لیے محض اس بات کا محقق ہو جانا کافی ہے کہ عورت اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہے اور اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔

۲۔ حضرت عمر کے فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ نفرت و کراہیت کی تحقیق کے لئے قاضی شرع کو کوئی مناسب تدبیر اختیار کر سکتا ہے تاکہ کسی شبہ کی گنجائش نہ رہے اور بالیقین معلوم ہو جائے کہ ان زن و شوہر میں ایسا نہ ہونا متوقع نہیں ہے۔

۳۔ حضرت عمر کے فعل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نفرت و کراہیت کے اسباب کا کھوج کا ناضری نہیں، اور یہ ایک معقول بات ہے۔ عورت کو اپنے شوہر سے بہت سے ایسے اسباب کی بنا پر نفرت ہو سکتی ہے جن کو کسی کے سامنے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے اسباب بھی نفرت کے ہو سکتے ہیں جن کو اگر بیان کیا جائے تو سننے والا نفرت کے لئے کافی نہ سمجھے گا، لیکن جس کو ان اسباب سے رات دن سا بقیہ پیش آتا ہے اس کے دل میں نفرت پیدا کرنے کے لیے وہ کافی ہوتے ہیں۔ لہذا قاضی کا کام صرف اس واقعہ کی تحقیق کرنا ہے کہ عورت کے دل میں شوہر سے نفرت پیدا ہو چکی ہے۔

۴۔ قاضی عورت کو وعظ و پند کر کے شوہر کے ساتھ رہنے کے لیے راضی کرنے کی کوشش ضرور کر سکتا ہے، مگر اس کی خواہش کے خلاف اسے مجبور نہیں کر سکتا، کیونکہ خلع اس کا حق ہے جو خدا نے اس کو دیا ہے، اور اگر وہ اس امر کا اندیشہ ظاہر کرتی ہے کہ اپنا شوہر کے ساتھ رہنے میں وہ حدود اللہ پر قائم نہ رہ سکے گی تو کسی کو اس سے یہ کہنے کا حق نہیں کہ تو چلے حدود اللہ کو توڑ دے مگر اس خاص مرد کے

ساتھ بہر حال تجھ کو رہنا پڑے گا۔

۵ خلع کے مسئلہ میں دراصل یہ سوال قاضی شرع کے لیے نتیجہ طلب ہی نہیں ہے کہ عورت آیا جائز ضرورت کی بنا پر طالب خلع ہے یا محض نفسانی خواہشات کے لیے علیحدگی چاہتی ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے قاضی کی حیثیت سے جب مقدمات خلع کی سماعت کی تو اس سوال کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ کیونکہ اول تو اس سوال کی کما حقہ تحقیق کرنا کسی قاضی کے بس کا کام نہیں۔ دوسرے خلع کا حق عورت کے لیے اُس حق کے مقابلہ میں ہے جو مرد کو طلاق کی صورت میں دیا گیا ہے۔ ذوق اُقت کے دو صورتوں میں یکساں ہے۔ مگر مرد کے حق طلاق کو قانون میں اس قید کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا ہے کہ وہ ذوق اُقت کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ پس جہاں تک قانونی حق کا تعلق ہے عورت کے حق خلع کو بھی کسی اخلاقی قید سے مقید نہ ہونا چاہیے۔ یہ بات یہ ہے کہ کوئی طالب خلع عورت دو حال سے خالی نہ ہوگی۔ یا وہ فی الحقیقت خلع کی جائز ضرورت رکھتی ہوگی یا محض ذوق اُقت ہوگی۔ اگر پہلی صورت ہے تو اس کے مطالبہ کو رد کرنا ظلم ہوگا۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو اس کو خلع نہ دلوانے سے شریعت کے اہم مقاصد فوت ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ جو عورت طبعاً ذوق اُقت ہے وہ تو اپنے ذوق کی تسکین کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر کر کے رہے گی۔ اگر آپ اس کو جائز طریقے سے ایسا نہ کرنے دیں گے تو وہ ناجائز طریقوں سے اپنی فطرت کے داعیات کو پورا کریگی اور یہ زیادہ برا ہوگا۔ ایک عورت کا پچاس شوہروں کو یکے بعد دیگرے بدلنا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ وہ کسی شخص کے قید خانے میں رہتے ہوئے ایک مرتبہ بھی زنا کا ارتکاب کرے۔

۶ اگر عورت خلع مانگے اور شوہر اس پر راضی نہ ہو تو قاضی اس کو حکم دے گا کہ اسے چھوڑ دے۔ تمام روایات میں یہی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے ایسی صورتوں میں مال قبول کر کے عورت کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔ اور قاضی کا حکم بہر حال یہی منہ رکھتا ہے کہ محکوم علیہ اس کے امتثال کا پابند ہے، حتیٰ کہ اگر وہ امتثال نہ کرے تو قاضی اس کو حبس کر سکتا ہے۔ شریعت میں قاضی

کی حیثیت سرف ایک شیر کی نہیں ہے کہ اس کا حکم محض ثورہ کے درجہ میں ہو اور محکوم علیہ کو اس کے ماننے یا نہ ماننے کا اختیار ہو۔

۷۔ خلع کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کے مطابق ایک طلاق بائن کا ہے یعنی اس کے بعد زمانہ عدت میں شوہر کو رجوع کا حق نہ ہوگا کیونکہ حق رجوع باقی رہنے سے خلع کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے نیز چونکہ عورت نے جو مال اس کو دیا ہے وہ عقدہ نخل سے اپنی رہائی کے معاوضہ میں دیا ہے، اس لیے اگر شوہر معاوضہ لے لے اور اس کو رہائی نہ دے تو یہ قریب اور دغا ہوگی جس کو شرعاً جائز نہیں رکھ سکتی۔ ہاں اگر عورت دوبارہ اس کے ساتھ نخل کرنا چاہے تو کر سکتی ہے کیونکہ یہ طلاق حسن ہے جس کے بعد دوبارہ نخل کرنے کے لیے تحلیل شرط نہیں ہے۔

۸۔ خلع کے معاوضہ کی تعیین میں اللہ تعالیٰ نے کوئی قید نہیں لگائی ہے۔ جتنے معاوضہ پر بھی زوجین راضی ہو جائیں، اس پر خلع ہو سکتا ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہ فرمایا کہ شوہر خلع کے معاوضہ میں اپنے دیے ہوئے مہر سے زیادہ مال لے آپ کا ارشاد ہے لا یأخذ الرجل من المختلعة الا کثر مما اعطاها۔ حضرت علی کرم اللہ عنہ نے بھی بالفاظ صحیح اس کو مکروہ فرمایا ہے۔ ائمہ مجتہدین کا بھی اس پر اتفاق ہے بلکہ اگر عورت اپنے شوہر کے ظلم کی وجہ سے خلع کا مطالبہ کرے تو شوہر کے لیے سرے سے مال ہی لینا مکروہ ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے وان کان النشور من قبلہ یکرہ لہ ان یأخذ منها عوضاً۔ اس باب میں اصول شرع کے ماتحت یہ ضابطہ بنایا جاسکتا ہے کہ اگر خلع بالغہ والی عورت اپنے شوہر کا نشور ثابت کر دے، یا خلع کے لیے ایسے وجوہ ظاہر کرے جو قاضی کے نزدیک مقبول ہوں تو اس کو مہر کے ایک قلیل جز یا نصف کی واپسی پر خلع دلایا جائے اور اگر وہ نہ شوہر کا نشور ثابت کرے نہ کوئی مقبول وجوہ ظاہر کرے تو اس کے لیے پورا مہر یا اس کا ایک بڑا حصہ واپس کرنا ضروری قرار دیا جائے اگر اس کے رویے میں قاضی کو ذواقیت کے آثار نظر آئیں تو قاضی سزا کے طور پر اس کو مہر سے بھی کچھ

زیادہ دینے پر مجبور کر سکتا ہے۔

مسئلہ خلع میں ایک بنیاد غلطی خلع کی اس بحث سے حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ قانون اسلامی میں عورت اور مرد کے حقوق کے درمیان کس قدر صحیح توازن قائم کیا گیا تھا۔ اب یہ ہماری اپنی غلطی ہے کہ ہم نے اپنی عورتوں سے خلع کے حق کو عملاً سلب کر لیا، اور اصول شرع کے خلاف، عقدہ نکاح کو کلیتہً مردوں کی خواہش پر منحصر ٹھہرا دیا۔ اس سے عورتوں کی جو حق تلفیاں ہوئیں اور جو رہی ہیں ان کی ذمہ داری خدا و رسول کے قانون پر قطعاً نہیں ہے، بلکہ ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اس قانون کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر اب بھی عورتوں کے اس حق کا استعمار ہو جائے تو وہ بہت سی گتھیاں سلجھ جائیں گی جو ہمارے ازدواجی معاملات میں پیدا ہو گئی ہیں، بلکہ گتھیوں کا پیدا ہونا ہی بند ہو جائے گا۔

عورت سے خلع کے حق کو جس چیز نے عملاً بالکل سلب کر لیا ہے وہ یہ غلط خیال ہے کہ شارع نے خلع کا معاملہ کلیتہً زن و شوہر کے درمیان رکھا ہے اور اس میں مداخلت کرنا قاضی کے حدود اختیار سے ماہر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خلع دینا یا نہ دینا بالکل مرد کی مرضی پر موقوف ہو گیا ہے۔ اگر عورت خلع حاصل کرنا چاہے اور مرد اپنی شرارت یا خد غرضی سے نہ دینا چاہے تو عورت کے لیے کوئی چارہ کار نہیں رہتا لیکن یہ بات شارع کے مشارک بالکل خلاف ہے۔ شارع کا یہ مشارک غزنہ تھا کہ معاملہ نکاح کے ایک فریق کو بالکل بے بس کر کے دوسرے فریق کے ہاتھ میں دیدے اگر ایسا ہوتا تو وہ بلند اخلاقی و تمدنی مقاصد فوت ہو جاتے جو اس نے مناکحت کے ساتھ وابستہ کیے ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے اسلامی شریعت میں قانون ازدواج کی بنا ہی اس اہل پر رکھی گئی ہے کہ عورت اور مرد کا ازدواجی تعلق جب تک پاکیزگی اخلاق اور مودت و رحمت کے ساتھ قائم رہ سکتا ہو اس کا استحکام تحسن اور ضروری ہے اور اس کو توڑنا باطل و اٹنے کی کوشش کرنا سخت نامحمود ہے، اور جب یہ تعلق دونوں کے لیے یا دونوں میں سے کسی ایک

کے لیے اخلاق کی خرابی کا سبب بن جائے، یا اس میں ہودت و محنت کی جگہ نفرت و کراہیت داخل ہو جائے تو پھر اس کا ٹوڑ دینا ضروری ہے، اور اس کا باقی رہنا اغراض شریعت کے خلاف ہے۔ اس اصل کے ماتحت شریعت نے معاملہ نخل کے دونوں فریقوں کو ایک ایک قانونی آلہ ایسا دیا ہے جس سے وہ عقدہ نخل کے ناقابل برداشت ہو جائیگی صورت میں حل عقد کا کام لے سکتے ہیں۔ مرد کے قانونی آلہ کا نام طلاق ہے۔ جس کے استعمال میں اسے آزادانہ اختیار دیا گیا ہے۔ اور اس کے بالمقابل عورت کے قانونی آلہ کا نام خلع ہے۔ جس کے استعمال کی صورت یہ رکھی گئی ہے کہ جب وہ عقدہ نخل کو ٹوڑنا چاہے تو پہلے مرد سے اس کا مطالبہ کرے، اور اگر مرد اس کی خواہش پوری کرنے سے انکار کر دے تو پھر قاضی سے مدد لے۔

زوجین کے حقوق میں توازن اسی طرح قائم رہ سکتا تھا اور خدا و رسول نے درحقیقت یہی توازن قائم کیا تھا۔ مگر قاضی کے اختیار سماعت کو درمیان سے خارج کر کے یہ توازن بگاڑ دیا گیا۔ کیونکہ اس طرح وہ قانونی آلہ جو عورت کو دیا گیا تھا قطعاً بے کار ہو گیا، اور عملاً قانون کی صورت بگڑ کر یہ ہو گئی کہ اگر مرد کو ازواجی تعلق میں حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خوف ہو یا یہ تعلق اس کے لیے ناقابل برداشت ہو جائے تو وہ اسے قطع کر سکتا ہے، لیکن اگر یہی خوف عورت کو ہو یا ازواجی تعلق اس کے لیے ناقابل برداشت ہو جائے تو اس کے پاس اس تعلق کو قطع کرانے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ تاوقتیکہ مرد ہی اس کو آزاد نہ کر دے وہ مجبور ہے کہ بہر حال اس تعلق میں بند ہی رہے، خواہ حدود اللہ پر قائم رہنا اس کے لیے محال ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اور مناکحت کے شرعی مقاصد بالکل ہی کیوں نہ فوت ہو جائیں کیا کسی میں اتنی جرات ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی شریعت پر اتنی کھلی ہوی بے انصافی کا الزام عائد کر سکے؟

مسئلہ خلع میں قاضی کے اختیارات قرآن مجید کی جس آیت میں خلع کا قانون بیان کیا گیا ہے اس کو

پھر پڑھیے:-

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يَفْقَهَا حُدُودَ اللَّهِ فَتَلَا

سکریں گے

اگر تم کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود پر قائم نہ رہے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ۔ تو ان دونوں پر اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ

(یعنی عورت کچھ فدیہ دے کر (علحدگی حاصل کر لے)۔

اس آیت میں زوجین کا ذکر تو غائب کے صیغوں سے کیا گیا ہے، لہذا لفظ خفتم کے مخاطب وہ نہیں ہو سکتے۔ اب لا محالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے مخاطب مسلمانوں کے اولی الامر ہیں اور حکم الہی کا منشاء یہ ہے کہ اگر خلع پر زوجین میں تراضی حاصل نہ ہو تو اولی الامر کی طرف رجوع کیا جائے اس کی تصدیق ان احادیث سے ہوتی ہے جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے پاس خلع کے دعوے لے کر عورتوں کا آنا اور آپ کا ان کی سماعت کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ جب زوجین میں تراضی حاصل نہ ہو تو عورت کو قاضی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اب اگر فی الواقع قاضی کا فیصلہ اس معاملہ میں بے اثر ہو، اور مرد کے راضی نہ ہونے کی صورت میں قاضی اس سے اپنا فیصلہ منوانے کا اقتدار نہ رکھتا ہو تو قاضی کو مرجع قرار دینا سرے سے فضول ہی ہو گا کیونکہ اس کے پاس جانے کا نتیجہ بھی وہی ہے جو نہ جانے کا ہے۔ لیکن کیا احادیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ قاضی اس مسئلہ میں بے اختیار ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے جتنے فیصلے اوپر منقول ہوئے ہیں ان میں یا تو صیغہ امر آیا ہے جیسے طَلِّقْهَا اور فارقھا اور خُلِّ سبیلھا۔ یا یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے مرد کو حکم دیا کہ ایسا کرے۔ ابن جریر نے ابن عباس سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ تو یہ ہیں کہ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا (پھر آپ نے ان کو جدا کر دیا) اور یہی الفاظ اس روایت میں بھی ہیں جو خود جلیل بنت ابی بن سلول سے منقول ہے۔ اس کے بعد یہ شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ قاضی خلع کے معاملہ میں حکم دینے کا مجاز نہیں بلکہ یہ سوال کہ اگر شوہر اس حکم کو محض مشورہ سمجھ کر ماننے سے انکار کر دے تو کیا قاضی اس سے جبراً اپنا حکم منوا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہد میں ایسی تو کوئی مثال ہم کو نہیں ملتی کہ آپ نے کوئی فیصلہ صادر کیا ہو اور کسی نے اس سے

نربانی کی جرات کی ہو، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر ہم قیاس کر سکتے ہیں جن میں آپ نے ایک ہیکڑ شوہر سے فرمایا تھا کہ لَسْتُ بِبَارِحٍ حَتَّى تَرْضَى بِمَثَلِ مَا رَضِيتَ بِهِ یعنی مجھے نہ چھوڑا جائے گا جب تک تو بھی اسی طرح حکمین کا فیصلہ قبول کرنے پر راضی نہ ہو جس طرح عورت راضی ہوئی ہے۔ اگر قاضی ایک شوہر کو حکمین کے فیصلہ پر تسلیم خم کرنے سے انکار کرنے پر حراست میں رکھ سکتا ہے تو وہ خود اپنا فیصلہ سنوانے کے لیے تو بدرجہ اولیٰ قوت استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ دنیا کے تمام معاملات میں سے صرف غلط ہی کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہو جسے قاضی کے اس حق سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ فقہ کی کتابوں میں متعدد جزئیات ایسے ملتے ہیں جن میں قاضی کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر شوہر اس کے حکم سے طلاق نہ دے تو قاضی خود تفریق کو ادا دے۔ پھر کیوں نہ غلط کے مسئلہ میں بھی قاضی کو یہ اختیار حاصل ہو؟

آگے چل کر جو مباحث بیان ہوں گے ان سے یہ حقیقت اور بھی زیادہ واضح ہو جائے گی کہ عین اور مجبوبات اور خصی اور عذامی دبر و ص اور مجنون شوہروں کے مسئلہ میں فقہائے کرام نے جو ضوابط بیان کئے ہیں، اور اسی طرح خیابلوغ اور بعض دوسرے مسائل میں جو اجتہادی قوانین مقرر کیے گئے ہیں۔ ان کی موجودگی میں تو نہایت ضروری ہو گیا ہے کہ عورتوں کو غلط دلائل کے پورے اختیارات عدالتوں کو حاصل ہوں، ورنہ جو عورتیں ایسے حالات میں گرفتار ہو جائیں ان کے لیے بجز اس کے اور کوئی صورت ہی نہیں کہ یا تو وہ تمام عمر مصیبت کی زندگی بسر کریں، یا اپنے داعیات نفس سے مجبور ہو کر فواحش میں مبتلا ہو جائیں، یا مجبوراً مرتد ہو کر قید نخل سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ تو ضعیف مدعا کے لیے ہم یہاں ایک سال پر اکتفا کرتے ہیں۔

عین کے معاملہ میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اس کو ایک سال تک علاج کی مہلت دی جائے گی اگر علاج کے بعد وہ ایک مرتبہ بھی بہتری برقرار ہو گیا حتیٰ کہ اگر ایک مرتبہ اس نے ادھوری مباشرت

بھی کر لی تو عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں بلکہ یہ حق ہمیشہ کے لیے باطل ہو گیا۔ اگر عورت کو نکاح پہلے سے معلوم تھا کہ وہ عین ہے تو اس کو سرے سے قاضی کے پاس دعویٰ لے جانے کا حق ہی نہیں۔ اگر اس نے نکاح کے بعد ایک مرتبہ مباشرت کی اور پھر عین ہو گیا تب بھی عورت کو دھوکے کا حق نہیں۔ اگر عورت نے شوہر کے عین ہونے کا علم حاصل ہونے کے بعد اس کے ساتھ رہنے پر اپنی رضا مندی کا اظہار کر دیا تب بھی وہ ہمیشہ کے لیے خیلافسخ سے محروم ہو گئی تھی۔ ان صورتوں میں عورت کا خیلافسخ تو یوں باطل ہو گیا اس کے بعد ایسے ناکارہ شوہر سے چٹکا را حاصل کرنے کی دوسری صورت یہ رہ جاتی ہے کہ وہ خلع حاصل کرے۔ مگر وہ اس کو مل نہیں سکتا کیونکہ شوہر سے مطالبہ کرتی ہے تو وہ اس کا پورا مہر ملکہ مہر کے کچھ زائد لیکر بھی چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا اور عدالت سے رجوع کرتی ہے تو وہ اس کو مجبور کر کے طلاق دیوانے یا تفریق کرنے سے انکار کر دیتی ہے اب غور کیجیے کہ اسی غریب عورت کا حشر کیا ہو گا؟ بس یہی ناکہ یا تو وہ عیسائی راہبات کی طرح نفس کشی کی زندگی بسر کرے اور اپنے نفس پر روح فرستائیں برداشت کرے یا قید نکاح میں رہ کر اخلاقی فواحش میں مبتلا ہو، یا پھر سرے سے دین اسلام ہی کو خیر نہ کہہ دے۔ مگر کیا اسلامی قانون کا منشا یہی ہے کہ کوئی عورت ان حالات میں سے کسی حالت میں مبتلا ہو گیا ایسے ازدواجی تعلق سے شریعت کے وہ مقاصد پورے ہو سکتے ہیں جن کے لیے قانون ازدواج بنایا گیا ہے؟ کیا ایسے زوجین میں ہودت و رحمت ہو گی؟ کیا وہ باہم ملکر تمدن

۱۷۔ فی رد المختار عن المعراج اذا اوج الحشفة فقط فليس لعینین وان كان مقطوعاً فلا بد من ايلاج بقية الذكر

کہ فی العالم کبریہ ان علمت المرأة وقت النکاح انه عین لا یصل الی النساء لایکون لها حق الخصوة

۱۸۔ فی الدر المختار فلو جبت بعد و صولیه ایها مرة او صار عیناً بعدہ الی وجوب

لا یفرق بحصولهما بالوطی مرة۔

یہ قال الشافعی قوله لم یطلا ای ما لم یقل رضیت بالمقام معه۔

کی کو کوئی مفید خدمت کر سکیں گے؟ کیا ان کے گھر میں خوشی اور راحت کے فرشتے کبھی داخل ہو سکیں گے؟ کیا یہ قید نخل کسی حیثیت سے بھی احسان کی تعریف میں آسکے گی، اور اس سے دین اور اخلاق اور عفت کا تحفظ ہوگا؟ اگر نہیں تو بتایا جائے کہ ایک بے گناہ عورت کی زندگی برباد ہونے یا مجبوراً اس کے فواحش میں مبتلا ہو جانے، یا دائرہ دین سے نخل جانے کا وبال کس کے سر ہوگا؟ خدا اور تو یقیناً بری الذمہ ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے قانون میں کوئی نقص نہیں چھوڑا ہے۔ (باقی)

”سچ“ کے بجائے ”صدق“

نمیر ادرت جناب مولانا عبد الماجد ورمادی

یکم مئی ۱۹۳۵ء سے ۱۷، ۲۷، ۲۰ پونڈ سفید چکنے کاغذ پر ہر مہینہ کی یکم، گیارہ اور اکیس کو شائع ہوتا ہے۔
ہم کو معلوم ہے کہ وہ صاحب ذوق حضرات جو مولانا عبد الماجد صاحب دیابادی کے طرز انشاء کے عاشق
ہیں اور اس کے مخصوص دل نشین طرز صحافت کیلئے آپ کے اخبار سچ کے بند ہونے کے بعد سے بیتاب تھے
اس مژدہ کو صحیح معنوں میں مژدہ سمجھیں گے۔ لیکن چونکہ ہمارے پاس اخبار ”سچ“ کے خریداروں کی مکمل
فہرست موجود نہیں ہے اس وجہ سے فرداً فرداً خریداران سچ کو نمونہ نہ روانہ کر سکے لہذا شاہین
حضرات اپنا اپنا چندہ قیمتی چار روپیہ جلد از جلد روانہ فرما کر خریداران کے رجسٹر میں اپنا نام درج
کرائیں ورنہ بعد کو پچھلے پرچے دستیاب نہ ہونے پر پچھتا نا پڑے گا۔

”صدق“ ہر اعتبار سے سچے بڑھا ہوا ہے معنوی حیثیت سے معنایں قرآنی کا اضافہ

سالانه چنده لغوه

تریل نیا م منجرا خیا "صدق" پیموٹ روڈ لکھنو